اورنگزیب یوسفزئی　　　　　　　　　　　　　جنوری، ۲۰۱۴

تنقید بر مقالات بعنوان

"اقامت صلٰوۃ یا نظامِ ربوبیت" اور "المرجفون بالصلٰوۃ"

جنابِ عبد الکریم اثری صاحب کا اقامت "صلٰوۃ" یا "نظامِ ربوبیت" نامی مقالہ اس عاجز کو تبصرے کے لیے روانہ کیا گیا ہے اور ساتھ ہی اصرار ہے کہ اس کے جواب میں ضرور کچھ مستند مواد قلمبند کیا جائے۔

فاضل مصنف اس مقالے میں مسلمانوں میں مروجہ پرستش کی ایک بے روح اور صدیوں سے بے نتیجہ رسم کو، جسے فارسی زبان میں نماز کہا جاتا ہے، مسلسل صلٰوۃ کے نام سے موسوم فرما رہے ہیں جس کے مستند لغوی معانی میں پیروی اور اتباعِ احکام الٰہی، اور اس سے متعلقہ نظام کے قیام کی بات کی گئی ہے، نہ کہ کسی بھی پرستش، دعا یا تسبیح کے عمل کی۔

ناچیز کی رائے میں جب تک فرسودہ سوچ کا یہ بنیادی نقص دور نہ کیا جائے گا صلٰوۃ کی اہم ترین اصطلاح پر کچھ بھی لکھنا تضیع اوقات اور کارِ لاحاصل ہو گا۔ لہذا عاجزانہ مشورہ ہے کہ صلٰوۃ کا مادہ، اس کے مشتقات، اور ان کے لغوی معانی کا دو یا تین مستند عربی لغات سے مطالعہ فرمالیں تو حضرت کو اپنے بنیادی تسامح کا ادراک ہو جائیگا اور یہ مقالہ سراسر ردی کی ٹوکری کی نذر کرنا پڑ جائیگا، یا کم از کم نظرِ ثانی کا ہدف تو ضرور بنانا پڑے گا۔

ٹائٹل صفحے پر فرمان الٰہی سے شروعات فرماتے ہیں جو آیتِ مبارکہ ۶/۵۶ کے ایک نامکمل جزء پر مشتمل ہے اور موضوع زیر نظر سے قطعی غیر متعلق ہے۔ یہاں یہ سوال ذہن میں پیدا ہوا کہ ایک غیر متعلق آیت اپنے سیاق و سباق کے بغیر درج کرنے کی آخر کیا ضرورت تھی۔ ذہن پر زور دیا تو باور ہوا کہ شاید کچھ لکھنے سے قبل مصنف نے اس فرمان کو استعمال کرتے ہوئے اپنا ذاتی قد و قامت قارئین کے سامنے بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کی کوشش کی۔ یعنی خود کو نفسانی خواہشوں سے بلند اور مخالف نظریات رکھنے والوں کو انہی خواہشات کا اسیر ثابت کرنا چاہا۔ یعنی ابھی موضوع پر خامہ فرسائی شروع بھی نہیں فرمائی اور راست بازی کا اجارہ اپنی ذات کے لیے مخصوص بھی کر لیا۔ اور پھر اس کا ٹائٹل صفحے پر ببانگ دہل اعلان بھی فرما دیا۔ مکمل آیتِ مبارکہ اس طرح ہے: **قُلْ إِنِّي**

نُهِيتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّـهِ ۚ قُل لَّا أَتَّبِعُ أَهْوَاءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ إِذًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُهْتَدِينَ [ترجمہ: کہ دو کہ مجھے اس بات سے منع کر دیا گیا ہے کہ ان کی تابعداری کروں جنہیں تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو۔ کہدو کہ میں تمہاری خواہشات کا تابع نہیں ہوں کیونکہ اگر ایسا کروں تو بھٹک جاوں گا اور ہدایت یافتہ لوگوں میں سے نہ رہوں گا۔] موصوف نے آیت کا صرف آخری جزء استعمال فرمایا اور اس میں سے خود ستائشی جتلانے کا ایک پہلو نکال لیا جو یقینا ایک قابلِ ستائش کوشش نہیں قرار دی جاسکتی۔ اس عاجز کا عمر بھر کا تجربہ شاہد ہے کہ خود پسندی اور اجارہ داری کے ایسے رجحانات رکھنے والوں کو راہِ ہدایت دکھائی نہیں جا سکتی اور ان کا معاملہ وہی ہوتا ہے جیسے کہ اس آیتِ مبارکہ میں نشاندہی فرمائی گئی ہے: **[آیت ۲۷/۸۰] إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَاولوا مدبرين (۸۰) تم ہر گز مردہ ذہن رکھنے والوں کو ہدایت کی آواز نہیں سنا سکتے اور نہ ہی ایسے بے بہرہ لوگوں کو سنا سکتے ہو جو کسی بھی پکار سے پیٹھ موڑ چکے ہوں]۔**

ویسے بھی فاضل مصنف کے دل و دماغ پر دیومالائی کہانیوں کی چھاپ بدرجہ اتم موجود ہے جو انسان کے شعور کا رابطہ حقیقتِ ابدی اور صدقِ بسیط سے قطع کر دیتی ہے۔ اور وہ زمانۂ قدیم کے سحر اور فسانہ و افسوں کی تخیلاتی دنیا میں مستغرق رہتا ہے۔ یعنی مقالے کی ابتدا ہی میں صفحہ ۳ پر تحریر کا متن شروع کرتے ہی ایک ایک ایسی جھوٹی من گھڑت روایت سے بسم اللہ کی گئی ہے جس میں تمامتر عقل و درایت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے یہ ڈھونگ رچایا گیا ہے کہ "وضو کرنے، اور نماز ادا کرنے کے بعد بندہ ایسا [معصوم و بے خطا] ہو جاتا ہے جیسا کہ آج ہی اسکی ماں نے اس کو جنم دیا ہے"۔

آفرین ہے صاحبو۔ جب عقل و شعور کا درجہ تحت الثرٰی کی پست ترین سطح تک گر چکا ہو تو کیا آپ سفارش کریں گے کہ ایسے عقائد رکھنے والوں سے کوئی واسطہ بسلسلۂ علم و دانش و تحقیق رکھا جائے؟ اور کیا ایسی عہدِ کہنہ میں بسنے والی مردہ زندگیوں میں کسی بھی کاوشِ ذہنی، جسمانی و نفسیاتی کے ذریعے کوئی بھی نئی روح پھونکی جا سکتی ہے؟

مقامِ عبرت ہے کہ پوری قوم کو اس قماش کے مذہبی شیوخ نے یہ انتہائی وثوق اور پیہم کاوشوں کے ساتھ باور کرا دیا ہے کہ نماز پڑھ لو اور تمام گناہ کبیرہ و صغیرہ معاف کر والو۔ پس جرم و گناہ و بداخلاقی کا ایک سیلابِ بلا ہے جو اس بدنصیب قوم کو ایسے شیوخ کی بدولت تضلیل و انہدام کی سمت بہائے لیے جاتا ہے۔ خود سوچیے کہ جب معافی کا عمل اتنا سہل کر دیا جائے گا، تو جرم و گناہ کا خوف کہاں باقی رہ جائے گا؟

یہ روایاتی شیوخ آپ کو اس انتہائی مذموم مرحلے سے بھی مزید آگے لے جاتے ہیں جب ایک اور من گھڑت حدیث آپ کی تسلی کے لیے پیش کی جاتی ہے جو کہتی ہے کہ " اگر تم لوگ جرم و گناہ نہیں کروگے اور پھر اللہ سے توبہ نہ مانگو گے، تو اللہ تبارک تعالیٰ تمہاری جگہ کوئی اور ایسی قوم لے آئیگا جو جرم و گناہ میں بڑھ چڑھ کر ہوگی اور اس کے مطابق اللہ سے عفو و درگزر کی طالب بھی تم سے بڑھ کر ہوگی"۔ کیا دنیا کے کسی اور لٹریچر میں آپ نے عقل و شعور کی ایسی بھیانک توہین دیکھی ہوگی؟ یقینا نہیں۔ اور اس کا سہرا صرف اور صرف ہمارے ایسے شیوخ ہی کے سر بندھتا ہے جو زیرِ نظر تحاریر کے لیے مشہور و معروف ہیں۔ اور آزاد چھوڑ دیے جانے کے باوصف اس پوری مملکت کو ایک پاگل خانے میں تبدیل کر چکے ہیں۔

روایتِ مذکورہ کو درج فرماتے ہوئے ہمارے شیخِ عالی مقام اگر کچھ دیر کے لیے یہی سوچ لیتے کہ ایک قاتل، زانی، یتیموں کا مال کھا جانے والا، روزمرہ لوگوں سے چار سو بیسی کرنے اور ہر فقرے کے ساتھ جھوٹ بولنے والا دکاندار، سمگلر، قومی دولت کا لٹیرا، غدار اور رشوت خور آخر کس سائینسی یا اخلاقی کلیے کے تحت صرف پانچ منٹ چند مضحکہ خیز جسمانی حرکتیں کرنے اور چند نہ سمجھ میں آنیوالے کلمات کا جاپ کرنے کے بعد کیسے آخر تمام گناہوں سے ایک نوزائدہ بچے کی مانند پاک ہو سکتا ہے، تو شاید ان کے نہاں خانہِ دماغ میں برپا اس عقل و شعور کے قحط میں کوئی کمی کی تحریک ضرور پیدا ہو جاتی۔ لیکن آپ نے ایسا سوچنے کی زحمت نہیں فرمائی۔ پھر عبارت میں تناقض ملاحظہ فرمائیں کہ صفحہ ۴ پر خود ہی اعتراف بھی فرماتے ہیں کہ "بد قسمتی سے اکثریت تو صلوٰۃ ادا ہی نہیں کرتی اور جو ادا کرتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔ یہ ہی نہیں جانتے کہ کیا پڑھا ہے"؟؟؟؟؟

یعنی یہی صلوٰۃ ادا کرنے سے تمام گناہوں سے پاک ہو جانے کی بشارت بھی دی جا رہی ہے، پھر بھی پڑھنے والے، جو بقول آپ کے اقلیت میں ہیں، یہ بھی نہیں جانتے کہ انہوں نے اللہ سے کہا کیا ہے؟ ع۔۔۔۔ حیراں ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں۔ ۔۔۔۔ یہاں شیخ صاحب خدا جانے اپنی "صلوٰۃ" کا نوحہ پڑھ رہے ہیں، کہ وہ اکثریت کی سمجھ سے ہی باہر ہے، یا اس کی اپنی بیان کردہ لمبی چوڑی اُن فضیلتوں کی دہائی دے رہے ہیں، کہ جس کا کوئی فائدہ ہی نہیں اُٹھا پاتا۔

اندریں حالات، اس عبرت کدہِ دہر میں دعائے خیر کرنے کے سوا اور کیا کر سکتا ہوں۔ حضرت جی کی شان میں اس شعر کے ساتھ بات ختم کرتا ہوں:-

بادہ عصیان سے دامن تر بہ تر ہے شیخ کا   پھر بھی دعویِ ہے کہ اصلاحِ دوعالم مجھ سے ہے

اور ان صاحبانِ جبہ و دستار کے بارے اقبال[ر] کے کہے چند الفاظ بھی پیشِ خدمت ہیں:-

ہند میں حکمتِ دیں کوئی کہاں سے سیکھے نہ کہیں لذّتِ کردار، نہ افکارِ عمیق
خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق
ان غلاموں کا یہ مسلک ہے کہ ناقص ہے کتاب کہ سکھاتی نہیں مومن کو غلامی کے طریق

- - - - -

نوٹ: ناچیز کو اسی فاضل مصنف کی ایک اور **کتاب "المرجفون فی الصلٰوۃ"** نامی بھی ارسال کی گئی ہے اور اس پر بھی تبصرے کی درخواست کی گئی ہے۔ مطالعہ شروع کرنے پر یہ مذموم حرکت سامنے آئی کہ ذاتی نظریات سے اختلاف رکھنے والوں کے ساتھ تخاطب کی شروعات ہی انہیں "منافق" کا لقب عطا کرکے کی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس متشدد اور غیر مہذب رویے کے ساتھ جو فتویٰ بازی کا ماحول پیدا کر دیا گیا ہے وہ کسی بھی سنجیدہ تبادلہِ خیال کا متقاضی نہیں ہے۔ اس لیے اس تضیعِ اوقات میں شریک ہونا یہ عاجز خود کے لیے جائز نہیں سمجھتا اور معذرت خواہ ہے۔ اُن کے حسبِ حال بھی "مشرک" کا فتویٰ ان کے ساتھ مخصوص کیا جا سکتا ہے، جس کا حضرت انکار بھی نہیں کر پائیں گے، لیکن قرآن کے پروانوں کا فتوے بازی کی جانب سے اجتناب کا رویہ ثابت شدہ ہے۔

عمومی طور پر بھی جو لوگ دشمنانِ اسلام کی جمع کی گئی زبانی روایات پر اپنے عقائد کی بنیاد استوار کرتے ہیں، وہ کھلم کھلا قرآن دشمنی کے مرتکب ہوتے ہیں اور اس قماش کے علماءِ سوء کے ساتھ سوال و جواب کے سلسلے سے قارئین کے لیے کوئی منفعت پیدا نہیں ہو پاتی۔ لہٰذا ایک بے سود عمل سے گریز کی راہ اختیار کی جانی چاہیئے۔

یہاں آپ کو فاضل مصنف کی ٹائٹل صفحے پر بیان کی ہوئی آیت کا صرف جزء سپردِ قلم کرنے کی ٹھوس وجہ کا ایک اور ادراک بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ وہ چونکہ روایت بازی پر اپنے ایمان کی اساس رکھتے ہیں، جو کہ بمقابلہ فرموداتِ قرآن ہے اور کھلے شرک کے مترادف ٹھہرتا ہے، اسی لیے انہوں نے آیتِ مبارکہ کا پہلا حصہ محذوف رکھنے کی ارادتاً کوشش فرمائی کیونکہ یہی پہلا جزء سراسر شرک ہی کے عمل کی نشاندہی کر رہا ہے۔ وہ حصہ یہ ہے: **قُلْ إِنِّي نُهِيتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّـهِ.** [ترجمہ: کہ دو کہ مجھے اس بات سے منع کر دیا گیا ہے کہ ان کی تابعداری کروں **جنہیں تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو۔**] اور فاضل مصنف نے جب اپنے موقف کی وثاقت کے لیے درجِ بالا روایت بیان فرمائی تو یہ ثابت ہو گیا **کہ وہ اللہ اور اس کے کلام کو چھوڑ کر روایت سازوں کی تابعداری کے گناہ میں** سر تا پیر ملوث نظر آتے ہیں۔ اسی بناء پر انہوں نے اپنے ناقص ایمان کی پردہ

داری ضروری خیال فرماتے ہوئے آیتِ مبارکہ کا یہ حصہ محذوف رکھنا ضروری سمجھا جو ان کے اپنے عقیدے کی اصلیت آشکار کر رہا تھا۔

پس قرآنِ خالص کی پیروی کرنے والوں اور گلیوں، بازاروں میں پھرتے عوام الناس کی زبانوں سے حاصل کی جانے والی روایتوں کے پجاریوں کے مابین مکالمہ، ایک گناہِ بے لذت کے سوا کچھ اور نہیں ہو سکتا۔ روایتوں کے مجموعات کا تو یہ حال ہے کہ ،،،،،"ایں دفترِ بے معنی غرق مئے ناب اولیٰ "،،،،،،کیونکہ اہانتِ دین و رسول[ص] کے لیے دشمنانِ اسلام کو جیسا بھی مواد ضرورت ہو، انہی مجموعات سے بآسانی حاصل ہو جاتا ہے۔

حضرتِ مصنف کی خدمتِ اقدس میں دست بستہ یہی عرض ہے کہ:

آباء کے فسانوں کا تجھے اب بھی ہے سرسام   مبروص تیرا ذہن، تیری عقل زبوں گام
جھولی میں تری آج بھی اے بستۂ ایام   سیلے ہوئے اقوال ہیں چھٹے ہوئے اوہام
اے کشتۂ اجداد، پئے نقد و نظر جاگ   اے نوعِ بشر جاگ، اے نوعِ بشر جاگ